© rasailojaraid.com

نظم قرآن

الطاف احمد اعظمی (علیگ)

راقم کے علم کی حد تک قرآن مجید واحد مذہبی کتاب ہے جس کے بارے میں یہ سوال اٹھا اور بار بار اٹھا کہ اس میں نظم و ترتیب ہے یا نہیں؟ قرآن مجید پر مستشرقین نے جو اعتراضات کئے ہیں ان میں سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ اس کی آیات میں نظم و ترتیب کا فقدان ہے دوسرے لفظوں میں وہ منتشر افکار و خیالات کا ایک مجموعہ ہے۔ اس کے اجزاء میں منفرد طور پر لفظی اور معنوی دلربائی تو ہے لیکن وہ حسن و زیبائی کہاں جو معنوی اعتبار سے منظم و مرتب کلام کا خاصہ ہے۔

اس خیال کا اظہار ان مستشرقین نے بھی کیا ہے جو پیغمبر اسلام کی عظمت و بزرگی کے قائل ہیں۔ کارلائل کا تعلق اسی گروہ سے ہے۔ قرآن مجید کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ: تمام رو رعایت کے باوجود ایک شخص کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے بالخصوص اس آدمی کے لئے جو مخالف ہے کہ قرآن کی تخلیق آسمان پر ہوئی ہے، دنیا کے لئے ایک بہترین نعمت کے طور پر، ایک عمدہ طرز پر لکھی ہوئی کتاب کی حیثیت سے، عمدہ چھوڑیے محض ایک کتاب کی حیثیت سے، بلکہ وہ یہ ماننے کے لئے مجبور ہوگا کہ یہ بے ربط اور منتشر مضامین کا مجموعہ ہے۔ جہاں تک تحریر کا تعلق ہے وہ یقیناً ایک لکھی ہوئی کتاب ہے لیکن شاید دنیا کی سب سے خراب لکھی ہوئی کتاب۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اسی کے ساتھ میں کہوں گا کہ یہ ناقابلِ فہم نہیں ہے ورنہ عرب اس سے اس درجہ محبت کیوں کرتے۔ جو چیز دل سے نکلتی ہے وہ دوسروں کے دل پر بھی اثر کرتی ہے۔ میرے نزدیک قرآن کی جو خوبی (Merit) ہے وہ اس کی اصلیت Genuine ness,) ہے۔ وہ بلاشبہ سچائی اور نیک نیتی پر مبنی کتاب (Bonafide Book) ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بہتوں نے اس کتاب کو مکر و فریب (Juggleries) کا مجموعہ کہا ہے لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اس قسم کے خیالات کو رد کر دیا جائے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ سنجیدہ (Sincere) رہے ہیں، کون ہمیشہ سنجیدہ رہتا ہے۔ لیکن میں ان ناقدوں سے اتفاق نہیں کر سکتا جو کہتے ہیں کہ انھوں نے دیدہ و دانستہ فریب کاری کی ہے اور اس قرآن کو ایک جعلی اور فریبی کی حیثیت سے لکھا ہے۔ جو شخص بھی قرآن مجید کو پڑھے گا وہ اس خیال کی نفی کرے گا۔

میرا خیال ہے کہ قرآن ایک عظیم ناتراشیدہ (Rude) روح کا غیر واضح اور پراگندہ جوش و خروش (Confused ferment) ہے، ناتربیت یافتہ جو کہ پڑھ بھی نہیں سکتا تھا لیکن پرجوش خیالات کو الفاظ کا قالب دینے کی شدید کوشش کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کے پاس خیالات کا ہجوم ہے۔ وہ بہت کچھ کہنے کی کوشش میں کچھ زیادہ کہہ نہیں پاتے۔ جو معانی ان کے پاس تھے وہ کسی باضابطہ تالیف کی صورت میں نہیں ڈھل سکے۔ بس اسے افکار پریشاں کہہ سکتے ہیں۔ جو کچھ انھوں نے کہا ہے وہ حد درجہ بے نظمی اور بے ترتیبی کا شکار ہے۔ اسی لئے میں نے پہلے اسے سادہ لوحی (Stupidity) سے تعبیر کیا ہے لیکن فطری سادہ لوحی (Natural stupidity) ہی اسے کہا جائے گا۔ اور یہی قرآن کی خصوصیت ہے۔"[۱]

انیسویں صدی کے ایک مستشرق سر ولیم میور نے بھی اسی قسم کے خیال کا اظہار کیا ہے۔ اپنی کتاب لائف آف محمد میں اس نے لکھا ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اس میں حد درجہ بے نظمی اور بے ترتیبی پائی جاتی ہے۔ مضامین ایک دوسرے کے ساتھ گڈمڈ ہیں (Chaotic mingling of subjects) اس میں نہ زمانی ترتیب ہے اور نہ معنوی ترتیب۔ جو ٹکڑا مدینہ میں نازل ہوا وہ مکی ٹکڑے سے پہلے آگیا ہے۔ بعد کا قانون پہلے قانون کا ناسخ ہے یا اس میں ترمیم کرتا ہے، ابھی ایک بحث چل رہی ہے کہ اچانک ایک دوسرا جملہ ایسا آجاتا ہے جو موقع و محل کے لحاظ سے بالکل بے تعلق بلکہ اجنبی ہوتا ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ہمارے لئے یہ باور کرنا مشکل ہے کہ اس وقت قرآن مجید جس مرتب شکل میں ہے عہد نبوی میں بھی وہ اسی نظم و ترتیب سے تھا۔"[۲]

یہ مستشرقین کے خیالات ہیں جو قرآن مجید کو آسمانی کتاب نہیں مانتے بلکہ اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ اس رائے میں کچھ تو ان کے قومی و مذہبی تعصب کا دخل ہے اور کچھ یہ بھی کہ ان میں سے اکثر عربی زبان و ادب اور قرآن کے اسالیب کلام سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتے تھے اس لئے اگر ان کو قرآن مجید میں نظم و ترتیب کی کمی یا فقدان نظر آیا تو وہ قابل فہم ہے۔ لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ بعض علماء اسلام بھی یہی خیال رکھتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ مستشرقین کے برخلاف قرآن مجید کو کلام الٰہی مانتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ وہ علوم و معارف کا گنج گراں مایہ اور ہدایت کا آخری معتبر وسیلہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن مجید مختلف اسباب و حوادث اور احوال و حاجات کے تحت نازل ہوا ہے اس لئے اس میں نظم و ترتیب کا نہ ہونا کچھ تعجب خیز بات نہیں ہے اس کی مثال سمندر کی ہے جس میں بے شمار لولو اور مرجان پائے جاتے ہیں لیکن منتشر حالت میں۔

اس خیال کے حامل علماء میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ/۱۲۶۱ء) بھی تھے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ "مناسبت ایک عمدہ علم ہے مگر ارتباط کلام کے حسن میں یہ بات شرط ہے کہ وہ کسی ایسے کلام کے بیچ واقع ہو جو کہ متحد ہو اور اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اول اس کے آخر سے ربط و اتصال رکھتا ہو۔ لہٰذا اگر کلام کا وقوع مختلف اسباب کے تحت ہوگا تو اس میں ہرگز ارتباط نہ ہوگا اور جو شخص ایسے کلام کو ربط دے گا وہ خواہ مخواہ ایک امر ناشدنی کی تکلیف کرے گا۔۔۔۔۔۔۔ قرآن مجید کا نزول بیس سال سے بھی کچھ زیادہ عرصہ میں ہوا اور مختلف اسباب کی بنا پر مختلف اوقات میں مختلف احکام کے لئے نازل ہوا تھا۔ اس طرح کے کلام کو کبھی مربوط نہیں کیا جا سکتا ہے۔"[۳]

ہندی علماء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۷۶۲ء) بھی اس خیال کے حامی تھے وہ کہتے تھے کہ قرآن کی ہر آیت اور ہر سورہ میں نظم و ترتیب کی تلاش بے سود ہے کیونکہ اہل عرب کلام میں اس طرح کے تصنیفی نظم و ترتیب سے کلیتہً نا آشنا تھے جس کا رواج متاخرین کے یہاں ملتا ہے۔ اپنی ایک اہم تالیف "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں انھوں نے لکھا ہے کہ "قرآن مجید میں علوم پنجگانہ کا بیان قدیم عربوں کی روش پر ہوا ہے، متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ آیاتِ احکام میں اختصار جیسا کہ متن نویسوں کا قاعدہ ہے اور غیر ضروری قیود کی تنقیح کا التزام جیسا کہ اصولیوں کا قاعدہ ہے، نہیں کیا گیا۔ علم مباحثہ کی آیات میں مشہور و مسلم اقوال اور خطابیاتِ نافعہ کا التزام تو ہے مگر ترتیب براہین میں منطقیوں کے اسلوب کی پیروی اور ایک مضمون کے بعد دوسرے مضمون کے شروع کرنے میں مناسبت کی رعایت جیسا کہ ادباء متاخرین کا قاعدہ ہے، نہیں کی گئی ہے بلکہ خداوند تعالیٰ نے جس حکم کو بندوں کے لئے مہتم بالشان سمجھا اسی کو بیان کیا خواہ کوئی حکم مقدم ہو جائے یا مؤخر۔"[۴]

اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ قرآن مجید میں ان بنیادی موضوعات کو ایک خاص ترتیب سے کیوں نہیں بیان کیا گیا؟ فرماتے ہیں: "اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے یہ بات ناممکن نہ تھی لیکن ایسا نہ کرنے کی وجہ حکمت اور مصلحت ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ قرآن مجید کے ادب و زبان اور اسلوب بیان میں عربوں کی زبان اور طرز کلام کے ساتھ موافقت کی گئی ہے۔"[۵]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ صاحبؒ قرآن مجید کی سورتوں کے مابین بھی کسی نظم و ترتیب کے قائل نہ تھے۔ ان کے نزدیک قرآن مجید کا اسلوب بیان شروع سے آخر تک مکتوب یا شاہی فرمان کی مانند ہے۔ فرماتے ہیں: "قرآن مجید کو ادنیٰ درجہ کی کتابوں کی طرح ابواب و فصول میں اس طرح تقسیم نہیں کیا گیا ہے کہ ہر مبحث ایک جداگانہ باب یا فصل میں بیان کیا جاتا بلکہ قرآن مجید کو مجموعۂ مکتوبات کے مثل سمجھنا چاہیے۔ جس طرح بادشاہ اپنی رعایا کو حسبِ ضرورت ایک فرمان لکھتا ہے، اس کے بعد دوسرا اور تیسرا فرمان یہاں تک کہ بہت سے فرامین جمع ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص ان فرامین کو ایک مجموعہ کی شکل میں مرتب کر دیتا ہے۔ بعینہ قرآن مجید کی سورتوں کو جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں جداگانہ مرتب اور محفوظ تھیں، ایک مصحف کی صورت میں جمع کیا گیا۔"[۲۵]

قرآن مجید کی آیات اور اس کی سورتوں میں بے نظمی کی جو توجیہ متذکرہ صدر علماء نے کی ہے وہ بعض جزوی صداقتوں کے باوجود متعدد وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید مختلف حالات و کوائف میں نجماً نجماً نازل ہوا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی سورتوں اور آیتوں میں کوئی نظم و ترتیب نہیں ہے۔

معلوم ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزولی نہیں توقیفی ہے۔ جو سورتیں پہلے نازل ہوئیں وہ ترتیب میں موخر اور جو بعد میں نازل ہوئیں وہ مقدم ہو گئیں۔ اور اس کی وجہ سورتوں کے مضامین کی مناسبت ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی آیت یا آیتیں نازل ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کاتبینِ وحی سے فرماتے کہ ان کو فلاں سورہ میں فلاں آیت کے پہلو میں رکھو۔ اگر دو آیات کے درمیان کوئی معنوی مناسبت مدنظر نہ تھی تو اس حکم کی کیا ضرورت تھی؟

سورتوں کی موجودہ مقداری تقسیم سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اگر ہر سورہ کا ایک خاص موضوع اور معنوی نظام نہیں ہے تو آیات کی حد بندی اور ان کے تسمیہ کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ یہ سورہ بقرہ ہے اور یہ سورہ آلِ عمران ہے۔ تمام سورتیں کسی نام کے بغیر اول سے آخر تک ایک ہی مجموعہ میں ہوتیں لیکن ایسا نہیں ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیات کو ایک خاص نظم و ترتیب سے لکھواتے جیساکہ اوپر بیان ہوا، اور جب ایک سورہ متعین مقداری حد پر پہنچ جاتی تو وہ ایک خاص نام سے موسوم ہوتی اور اسے ایک مکمل سورہ کا درجہ حاصل ہو جاتا۔ اس طرح ۲۳ سال کی طویل مدت میں تمام سورتیں درجۂ تکمیل کو پہنچیں۔

شاہ صاحبؒ کا یہ خیال بھی درست نہیں ہے کہ ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے، ایک جملہ کا دوسرے جملہ سے اور ایک باب کا دوسرے باب سے واضح طور پر مربوط ہونا ادب جاہلی اور اہل عرب کے نزدیک جزو بلاغت نہیں تھا اس لئے قرآن مجید کی آیات کے مابین ہر جگہ نظم و مناسبت کی تلاش لاحاصل ہے۔

حق بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنے بیانات میں اہلِ عرب کے مذاق کلام کی رعایت تو کی لیکن اس کی مکمل پابندی نہیں کی بلکہ ان کے مروجہ اسالیب بیان میں اضافات کئے اور بلاغت کے نئے نئے جلوے دکھائے۔ جو اسالیب کلام عربوں میں مقبول تھے ان میں بھی اس نے جدت طرازی دکھائی اور ان کو منتہائے کمال تک پہنچایا یہی وجہ ہے کہ اہلِ عرب اپنے معروف اسالیب کلام میں بھی قرآن مجید سے معارضہ کی جرأت نہ کر سکے۔

ارباب بلاغت نے اعجاز قرآن کے وجوہ میں اس کے اسلوب بدیع کو سب سے زیادہ نمایاں حیثیت دی ہے۔ ابو عیسیٰ رمانی (م ۳۸۴ھ/۹۹۴ء) نے اعجاز قرآن پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ رقم طراز ہے: "عربوں کے معروف انواع کلام یہ تھے: شعر، سجع اور محاورہ (بول چال کی زبان) قرآن مجید نے ان سے بالکل الگ طریقہ اختیار کیا یعنی عربوں کی معروف عادت کلام کے خلاف لیکن حسن و جمال میں ان سے بڑھ کر ہے مثلاً شعر میں وزن اس کے حسن کو بڑھاتا ہے لیکن قرآن مجید نے شعری وزن کو باقی نہیں رکھا یعنی دو مصرعوں کا برابر ہونا لیکن اس کے باوجود اس کا حسن شعر کے حسن سے کہیں زیادہ ہے" [۱۲]

© rasailojaraid.com

اعجاز القرآن پر گفتگو کرتے وقت استاذ الحمصی نے لکھا ہے کہ: "قرآن مجید

© rasailojaraid.com

کے امتیازی اوصاف میں اس کے اسلوب بیان کی خوبی کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ یہ اسلوب بیان عربوں کے اسالیب کلام کے برعکس ہے۔ دیکھو آیتوں اور سورتوں کا آغاز کس طرح ہوتا ہے۔ مثلاً سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات آئے ہیں۔ مابعد کی آیتوں سے ان کا وہی تعلق ہے جو موسیقی اور اس کے کلمات آغاز میں ہے۔ پھر اسلوبِ خطاب دیکھو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا۔ اس کے علاوہ آیات کا خاتمہ ایسے فواصل پر ہوتا ہے جن میں موسیقی کی کیفیت ملتی ہے۔ بالعموم اس کا آخری حرف ساکن اور اس کے ماقبل حرف مدہ (ی، و) آتا ہے جس سے ایک شیریں ضرب پیدا ہوتی ہے جو موسیقی کا خاصہ ہے۔ الفاظ کی داخلی موسیقی اس کے علاوہ ہے۔ اواخر آیات میں حروف کا توافق و تقارب بھی قابلِ غور ہے جو سجع کے مشابہ ہے لیکن نفوس پر اثراندازی کے لحاظ سے اس سے بالکل مختلف چیز ہے۔ جملوں کی مقدار میں جو تقارب ہے وہ بھی کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اس کے مفرد اور مرکب الفاظ میں غیر معمولی موزونیت اور حسنِ ترتیب ہے جس سے آیات ایک مخصوص وزن پر رواں دواں نظر آتی ہیں۔"[۵]

رافعی نے بھی یہی بات لکھی ہے: "کہ قرآن کا اعجاز اس کے اسلوب بدیع میں ہے اس کا اسلوب جملہ انسانوں کے معروف اسالیبِ کلام سے جداگانہ ہے۔ اسی وجہ سے عرب قدیم اس کا جواب دینے سے قاصر رہے۔ انھوں نے دیکھ لیا کہ یہ کلام کی ایک ایسی جنس ہے جو ان کے طبائع اور مذاق کے خلاف ہے لیکن لطف شیرینی میں اس سے بڑھ کر ہے۔"[۶]

دلچسپ بات یہ ہے کہ خود شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اعجاز قرآن کے بیان میں اسی دلیل کو پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "اعجازِ قرآن کے بہت سے وجوہ ہیں جن میں اول اس کا اسلوب بدیع ہے۔ عربوں کے پاس بلاغت کے چند میدان تھے جن میں وہ اپنی فصاحت کی ترکتازی دکھاتے اور ہم عصروں سے مسابقت کی سعی کرتے تھے، وہ میدان قصائد، خطبے، رسائل اور محاورات ہیں۔ اہل عرب ان چار اسالیب کے علاوہ کسی اور اسلوب سے واقف نہ تھے اور نہ کسی پانچویں اسلوب کے اختراع پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قادر تھے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اگرچہ آپ امّیؐ تھے، ایک خاص اور ممتاز اسلوب کی ایجاد جو ان کے مروجہ اسالیب کے علاوہ ہے، بے شک زمرۂ اعجاز میں شمار ہوگا۔[۱۸]

قرآن مجید کے اس اعجازی پہلو کو وزن اور قوافی کے ذکر میں بھی انھوں نے نمایاں کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "اگر کوئی سوال کرے کہ شعراء کے وزن اور قافیہ کو جو زیادہ حلاوت بخش ہیں کیوں نہیں اختیار کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کلام کی حلاوت میں زیادتی ہر قوم اور ہر ذہن کے مذاق کے اعتبار سے مختلف ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ شعراء کا وزن لذیذ تر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے باوجودیکہ آپؐ اُمّی تھے، ایک عدیم المثال وزن و قافیہ کی ایجاد آپؐ کی نبوت کا کھلا ہوا نشان ہے۔ اگر شعرائے عرب کے وزن اور قافیہ میں قرآن مجید نازل کیا جاتا تو کفار برملا کہتے کہ یہ تو ایسے ہی اشعار ہیں جو عربوں میں عام ہیں اور ہر کس و ناکس کی زبان پر ہیں۔ اس خیال باطل کی وجہ سے قرآن مجید کی طرف ادنیٰ التفات بھی نہ کرتے اور اس کو کسی شمار میں نہ رکھتے۔ نظم و نثر کے ارباب کمال بھی جب اپنے ہم عصر فضلاء میں خود کو نمایاں اور ممتاز کرنا چاہتے ہیں تو وہ اس مقصد کے لیے کوئی تازہ زمین یا کوئی جدید اسلوب اختراع کرتے ہیں اور پھر دعویٰ سے کہتے ہیں کہ ہے کوئی جو اس زمین میں ایسی غزل یا اس اسلوب میں ایسی نثر لکھ سکے؟ اگر یہ لوگ قدیم طرز انشاء کی پیروی کریں یا پامال زمینوں میں طبع آزمائی کریں تو محققین کے علاوہ کوئی دوسرا ان کے کمال کا ادراک نہ کر سکے گا۔"[۱۹]

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید اپنے اسلوب بیان اور انواع مضامین دونوں کے لحاظ سے ایک منفرد اور یکتا کتاب ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ دنیا میں ایسی کوئی کتاب نہیں خواہ دینی ہو یا غیر دینی، جو ہر اعتبار سے کامل اور دین و دنیا کے تقاضوں کا ایک خوشگوار آمیزہ ہو۔ مثلاً اس میں عبادات بھی ہوں اور اخلاقی تعلیمات بھی، انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق واضح رہنمائی بھی ہو اور روزِ آخرت کے جملہ احوال و مقامات کا واضح بیان بھی ہو، [illegible] بھی ہوں اور اقوام ماضیہ کے عروج و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زوال کی داستان بھی، تزکیۂ نفس کی دعوت بھی دی گئی ہو اور باطل کے خلاف جہاد کی ترغیب و تحریص بھی، ذکر اللہ کا بیان بھی ہو اور آثارِ کائنات پر غور و فکر کی تلقین بھی، خلق عالم کی نیرنگیاں بھی دکھائی گئی ہوں اور اس کے اسرار سے پردہ بھی اٹھایا گیا ہو، تخلیق عالم کی غرض و غایت بیان کی گئی ہو اور تخلیق انسان کا مقصد و منشا بھی واضح طور پر متعین کیا گیا ہو غرضیکہ جسم و روح، عقل و جذبات اور فرد اور جماعت کے مسائل کے بیان میں کامل درجہ کا عدل و توازن ہو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی ہر تعلیم انسانی فطرت کے عین مطابق ہو۔ اس میں نہ رہبانیت کو راہ دی گئی ہو اور نہ بے مہاری و بے راہروی کی اجازت ہو۔ ایک صاف، سیدھی اور روشن شاہراہ ہو، فکر کے اعتبار سے بھی اور عمل کے اعتبار سے بھی۔

ادبی زاویۂ نگاہ سے دیکھیے تو بھی قرآن مجید کی انفرادیت اور اس کی یکتائی مسلّم ہے۔ بلا مبالغہ وہ دنیا کے ادبی ذخیرہ کا گوہر شب تاب ہے۔ ہومر، شیکسپیر، فردوسی اور دنیا کے دوسرے ادبا، وفضلاء کے ادبی کمالات اس کتاب کے ادبی محاسن کے سامنے خزف ریزوں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ہر دور کے اربابِ علم نے اس کتاب کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ بڑے بڑے شعراء وادباء نے اس کے آگے اعتراف کی پیشانی جھکائی ہے۔

اس کے الفاظ کا دروبست، اس کی تراکیب کی بندش، اس کے جملوں کی سبک خرامی، اس کے قوافی کی ندرت و نغمگی، اس کے طرزِ بیان کی سحر انگیزی، اس کے استعارات و تشبیہات اور امثال و محاورات کی جدت طرازی اور اثر آفرینی بے مثل بے نظیر ہے۔ ہر آیت میں الفاظ تراشے ہوئے نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ معانی کی وسعت و بے کرانی کا حال یہ ہے کہ لفظ لفظ میں جہانِ معنی پنہاں ہے، ہر آیت سے علوم و معارف کے چشمے ابلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

شیکسپیر اٹھارہویں صدی کا انگریز شاعر گذرا ہے لیکن اس کی زبان بیسویں صدی کی زبان سے یکسر مختلف ہے۔ اس کے ڈراموں کے بہت سے الفاظ و تراکیب اب متروک ہو چکے ہیں لیکن قرآن مجید کا ایک لفظ، ایک ترکیب اور ایک بھی محاورہ آج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک متروک الاستعمال نہیں ہوا۔ متروک ہونا تو بڑی بات ہے وہی اب بھی فصیح ترمانے جاتے ہیں۔ علم بلاغت میں بیان کے نئے نئے طرز ایجاد ہو گئے ہیں لیکن اس کی روح اور اس کا معیار کمال اب بھی وہی ہے جو ۱۴سو سال پہلے قرآن حکیم کی بلاغت نے متعین کر دیئے تھے۔ یعنی اثر انگیزی جو دراصل کلام کی سچائی اور موثر پیرائے میں اس کے اظہار کا دوسرا نام ہے۔ اس اعتبار سے قرآن مجید ایک بے مثل کلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو سن کر ایک کافر کی روح بھی وجد کرنے لگتی ہے۔

اس پر تاثیر کتاب نے عرب قدیم کے شعراء، خطباء، اور بلغاء کو جن کو اپنی زبان دانی اور طلاقتِ لسانی پر بڑا غرہ تھا، چیلنج دیا کہ وہ اس کا مثل لائیں:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ o فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ o

(سورہ طور: ۳۳-۳۴)

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے قرآن خود تصنیف کر لیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ وہ ایمان ہی لانا نہیں چاہتے۔ اگر وہ اپنے قول میں سچے ہیں تو اسی طرح کا کوئی کلام پیش کریں۔

جب کہیں سے کوئی حریفانہ صدا بلند نہ ہوئی تو کہا گیا، اچھا پورا قرآن نہ سہی دس سورتیں ہی بنا لاؤ[11] لیکن یہ بھی ان سے بن نہ پڑا، آخر الامر اتمام حجت کی خاطر کہا گیا کہ ایک ہی سورہ، چھوٹی بڑی کی قید نہیں، اس کی مانند پیش کر دو[12] مگر اس کی جرأت بھی وہ نہ کر سکے اور تب اعلان کر دیا گیا کہ اگر سارے جن مل کر اس کام میں انسانوں کی مدد کریں تو بھی اس کا مثل لانا ان کے بس میں نہیں ہے۔[13]

غور فرمائیں، کیا اس تحدی کا محل ایک ایسی کتاب ہو سکتی ہے جو اپنی ساخت و ترکیب میں غیر منتظم ہو، جس کے مضامین میں کوئی ربط و تسلسل نہ ہو، جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے معنًا غیر مربوط ہو۔ اور کیا اسی پراگندہ خیالی کا جواب پیش کرنے سے عرب کے نامور شعراء، اور خطباء، عاجز آ گئے؟ ان کے لئے تو نہایت آسان تھا کہ وہ قرآن مجید کا چیلنج سنتے ہی بول اٹھتے کہ اس کتاب کا جواب کون لکھ سکتا ہے جس کی ہر سورہ خیالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پریشان کا ایک دفتر ہے، جس کے اجزائے ترکیبی میں نظم و ترتیب نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ لیکن وہ قرآن پر اس نوع کا الزام عائد نہ کر سکے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ اس اس کو ایک منظم اور مرتب کتاب سمجھتے تھے۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ ان کے ذہین افراد نے اعتراف کیا کہ یہ ایک غیر معمولی کلام ہے۔ اس سلسلے میں مکی سردار مغیرہ بن شعبہ[15] کے تاثرات ملاحظہ ہوں:۔

"بخدا شعر ہو یا رجز، قصائد ہوں یا جنّی اشعار، عربی کلام کی ایک ایک صنف کو میں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ لیکن خدا کی قسم یہ شخص جو کلام پیش کر رہا ہے وہ ان میں سے کسی چیز کے بھی مشابہ نہیں۔ بخدا اس کے کلام میں ایک عجیب حلاوت ہے اور ایک خاص طرح کا حسن ہے۔ اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہوئی اور اس کی جڑیں بالکل شاداب ہیں۔ یقیناً وہ ہر کلام سے بلند ہے اور کوئی دوسرا کلام اسے نیچا نہیں دکھا سکتا۔ کوئی شک نہیں کہ وہ ہر اس چیز کو توڑ کر رکھ دے گا جو اس کے نیچے آئے گی۔"[16]

قرآن مجید کی اسی بے پناہ تاثیر کا نتیجہ تھا کہ کفار قریش عاجز آ کر تلاوتِ قرآن کے دوران میں شور و ہنگامہ کرتے تھے تاکہ لوگ اسے سن نہ سکیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝	کفار کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ سنایا جائے تو اس میں شور و غل مچاؤ شاید کہ تم اس طرح غالب آ جاؤ۔"
(حٰمٓ سجدہ ۲۶:۴)	

قرآن مجید کی یہ بے مثل اثر آفرینی خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ایک منظم کلام ہے۔ کیا کسی غیر منظم کلام سے اس نوع کی اثر انگیزی ممکن ہے؟ کلام خدا کو چھوڑیں، انسانی کلام کی کسی صنف مثلاً ایک موثر خطبہ کو لے لیں اور اس کی ترتیب بدل دیں۔ جو مقدم ہے اسے موخر اور جو موخر ہے اسے مقدم کر دیں، پھر دیکھیں کہ کیا اس خطبہ کی پہلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاثیر باقی رہتی ہے؟ تاثیر تو کجا اس کو ایک معمولی درجہ کا خطبہ بھی کہنا مشکل ہوگا بلکہ اس کی سماعت بھی سامع پر بار ہوگی۔

قرآن کی غیر معمولی تاثیر کی وجہ جیساکہ اوپر بیان ہوا، کلام کی سچائی اور اس کی بے نظیر فصاحت و بلاغت ہے۔ جو کلام جس درجہ فصیح و بلیغ ہوگا اسی قدر موثر ہوگا اور نظم و ترتیب بلاغت ہی کا حصہ ہے۔ پس اگر قرآن مجید بلیغ کلام ہے اور یقیناً ہے تو لازمی ہے کہ اس میں غایت درجہ کا نظم و ترتیب ہو۔ بطور ثبوت یہاں چند سورتوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ یہ امر متحقق ہو جائے کہ قرآن مجید ایک منظم و مرتب کلام ہے۔

سورہ فاتحہ قرآن مجید کی پہلی سورہ ہے۔ یہ فاتحۃ الکتاب کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس کو غور سے پڑھیں، کہیں ادنیٰ احساس بھی نہ ہوگا کہ اس میں کوئی معنوی بے ربطی ہے۔ سورہ کی ہر آیت اپنے ماقبل و مابعد کی آیت سے پوری طرح مربوط ہے۔ اس سورہ کا مرکزی موضوع اجمالاً توحید ہے۔ اسی کو صراطِ مستقیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد اس کی عبادت اور اس سے استعانت کا عہد و پیمان کرتا ہے۔ اس کے بعد اللہ کی جناب میں درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کو توحید کی سیدھی راہ دکھائے۔ بندہ اللہ مالک الملک سے صرف اس بات کی التجا نہیں کرتا کہ وہ اس کو توحید کی علم بردار جماعت (منعم عَلَیہِم) کے نقوش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے بلکہ یہ استدعا بھی کرتا ہے کہ جن لوگوں نے توحید کی راہ سے دیدہ و دانستہ روگردانی اختیار کی (مَغضُوبِ عَلَیہِم) یا جو لوگ اس راہ سے بھٹک گئے (ضَآلِّین) ان کی اتباع سے ان کو محفوظ رکھے۔ ہے اس میں کوئی معنوی بے ربطی؟

سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ ہے۔ اس کا یہ نام بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن غور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اس سے بہتر اس کا کوئی دوسرا نام نہیں ہو سکتا تھا۔ اس میں ایک مقام (آیات: ۶۷-۷۳) پر گائے کی قربانی کا ذکر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہود سے کہا کہ "اللہ تم کو ایک گائے کی قربانی کا حکم دیتا ہے (اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً) اس حکم کو سن کر یہود نے کہا کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں" (قَالُوْٓا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں کی سی بات کروں (قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ) لیکن اس کے بعد بھی یہود نے سر تسلیم خم نہیں کیا، اور تعمیل حکم سے بچنے کے لئے جس طرح لیت ولعل سے کام لیا اس سے ان کی سرکش طبیعت کا صاف طور پر اظہار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سورہ کے ایک بڑے حصے میں ان کی نافرمانیوں کا ذکر ہے۔ اس بنا پر ماننا ہوگا کہ یہ اس سورہ کا یہ موزوں ترین نام ہے۔ اس کے نام ہی سے اس کا ایک اجمالی تعارف ہو جاتا ہے۔

اس سورہ کے نظم کو ٹھیک طور پر سمجھنے کے لئے اس کی ساخت و ترکیب کا مطالعہ ضروری ہے۔ سورہ کو غور سے پڑھیں تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ دو فصلوں پر مشتمل ہے اور اور ہر فصل میں متعدد ابواب (رکوعات) ہیں یہ پہلی فصل کا تعلق بنی اسرائیل (یہود) کے اقوال واعمال یا دوسرے لفظوں میں ان کی داستان سرکشی سے اور دوسری فصل کا تعلق اہلِ ایمان کی تعلیم و تربیت سے ہے۔ بالفاظ دیگر پہلی فصل میں "مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ" کی داستان کبر و تمرد اور دوسری فصل میں "مُنعَمْ عَلَيْهِمْ" کے عقائد واعمال کی تفصیل ہے اور انہی کی راہ پر مسلمانوں کو چلنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب و بامراد ہوں۔

ترکیب سورہ کی تفہیم کے ساتھ اس کے مرکزی موضوع اور اس کے توابع کی تعیین بھی ضروری ہے۔ اس سورہ کا مرکزی موضوع ایمان و عمل اور اس کا لزوم ہے۔ یہود نے جس طرح زبان سے دعوائے ایمان کے باوجود عمل سے گریز کیا اور اللہ کے احکام سے روگردانی کی اس کی تفصیل سورہ کی پہلی فصل میں جو ۱۵۲ آیات پر مشتمل ہے، موجود ہے۔ اس کے بعد اہل ایمان یعنی مسلمانوں کو ایمان و عمل کی دعوت اس کی جملہ تفصیلات کے ساتھ دی گئی ہے اور انھیں ایمان کے ساتھ اللہ کے حکموں کی اطاعت و اتباع پر ابھارا گیا ہے۔ ان سے واضح لفظوں میں کہا گیا ہے کہ یہود کی طرح محض زبانی ایمان اور جزوی اطاعت پر اکتفا نہ کریں بلکہ پوری زندگی کو خواہ انفرادی ہو اور خواہ اجتماعی اسلام کے تابع کریں (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (آیت: ۲۰۸) اور یہ کامل اتباع صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ ہی ممکن ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (آیت ۱۵۴)

ایمان میں توحید کے مضمون کو بتکرار بیان کیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ دین میں اس کی حیثیت مرکزی اور اساسی ہے۔ توحید کا مطلب اتنا ہی نہیں ہے کہ ایک اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے، بلکہ یہ بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے کہ صرف اسی کو کارساز اور مشکل کشا سمجھا جائے، اور شارع وقانون ساز بھی اسی کو مانا جائے۔ زندگی کے ہر معاملے میں اسی کے حکم وہدایت کی پیروی ہر مومن پر لازمی ہے اس کے علاوہ کسی اور کے حکم وہدایت کی پیروی شرک میں داخل ہے۔

ان چند بنیادی امور کے ذکر کے بعد اب ہم سورہ کا نظم اجمالاً بیان کرتے ہیں۔ جو قارئین تفصیل کے خواہاں ہوں وہ راقم کی زیر تالیف کتاب "قرآن فہمی کے اصول ومبادی" ملاحظہ فرمائیں۔

سب سے پہلے یہ امر ذہن نشین کیا گیا ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اس میں ان سب لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اس کے بعد اہل تقویٰ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ تقابل قرآن مجید کا معروف اسلوب بیان ہے، چنانچہ اہل تقویٰ کے ذکر کے بعد کفار ومنافقین کا تذکرہ ہے۔ منافقین کے مفسدانہ اعمال اور ان کے ذہنی تردداُت کو ایک تمثیل کے ذریعہ نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں اہل تقویٰ اور کفار ومنافقین سے دراصل یہود کے اہل تقویٰ اور کفار ومنافقین مراد ہیں۔

مخاطبین کتاب کے ذکر کے بعد اس کے بنیادی موضوعات، توحید، رسالت اور معاد کا اجمالی بیان ہے۔ یہاں تک اس فصل کی تمہید ہے۔ اس کے بعد اصل موضوع یعنی یہود کی داستان فسق وفجور شروع ہوتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے خلافت آدم کا تذکرہ ہے اور ایک تمثیل [illegible] آدم علیہ السلام کے کردار کو نمایاں کیا گیا ہے تاکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہود دیکھ لیں کہ وہ کس مقام پر کھڑے ہیں اور کس کے اسوہ کا اتباع کر رہے ہیں؟

اس تمثیل کے بعد بنی اسرائیل پر اللہ کی پیہم عنایات کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان کی نافرمانیوں کو بھی ایک ایک کر کے بیان کیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اس قوم کے اندر سے زندگی اور ترقی کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہیں اور ہدایتِ ربّانی کے جس منصب پر اب تک وہ فائز رہے ہیں اس کے اہل نہیں رہے۔ وہ سخت سزا کے مستحق ہیں اور اب وقت آگیا ہے کہ امامت عالم کی ابراہیمی وراثت ان سے چھین کر بنی اسمٰعیل کے سپرد کر دی جائے۔

اس فصل کا خاتمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر پر ہوا ہے اور اس سلسلے میں یہود کی متعدد غلط بیانیوں کی تردید کی گئی ہے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ سے عہد لیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو تا قیامت نوازتا رہے گا اور ان کو برابر دینی سیادت حاصل رہے گی۔ انھیں بتایا گیا کہ اس عہد کا تعلق ظالموں سے نہیں ہے، اور وہ یقیناً ظالم و مشرک ہیں۔ اسی طرح یہود اصل بیت اللہ یعنی خانۂ کعبہ کے بارے میں کتمان حق سے کام لیتے تھے۔ واضح کیا گیا کہ اصل بیت اللہ خانۂ کعبہ ہی ہے اور اس کی تعمیر خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے کی ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت مقام ابراہیم ہے جو آج بھی جائے عبادت ہے۔ آخری پیغمبر کی بعثت بھی دعائے ابراہیمی کا ثمرہ ہے۔ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت انھوں نے دعا کی تھی کہ بنی اسمٰعیل کے اندر سے ایک پیغمبر مبعوث ہو۔ اور اللہ نے یہ دعا قبول کی۔

یہودی فخر کی نفسیات میں مبتلا تھے چنانچہ وہ گھمنڈ سے کہتے تھے کہ ابراہیمؑ ہمارے باپ ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ ان کا طرزِ زندگی ابراہیمؑ کے طرز زندگی سے قطعاً مختلف ہے وہ نہ یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی بلکہ مسلم کامل تھے جب کہ ان کی اکثریت فاسق و فاجر ہے اور بہت سے لوگ شرک تک میں مبتلا ہیں۔ اس لئے ابراہیمؑ سے قولی نسبت جوڑنے سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ راہِ حق پر وہی شخص ہے جس نے ابراہیمؑ کی مخلصانہ پیروی کی اور شرک سے محفوظ رہا۔

اس سورہ کی دوسری فصل کا تعلق جیسا کہ پہلے بیان ہوا، مسلمانوں کی تعلیم و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تربیت سے ہے۔ اس کا آغاز تحویل قبلہ کے ذکر سے ہوا ہے اور مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ہر حال میں خانۂ کعبہ ہی کی طرف منہ کر کے عبادت کریں کہ وہی ان کا حقیقی قبلہ ہے۔ تحویل قبلہ کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا، یہ دراصل دینی سیادت سے بنی اسرائیل کی معزولی اور اس پر بنی اسمٰعیل کی سرفرازی کا اعلان تھا۔

اس دینی سیادت کی ذمہ داریوں سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہونے کے لئے مسلمانوں کو سب سے پہلا حکم یہ دیا گیا کہ وہ صبر اور صلوٰۃ سے مدد لیں کہ اللہ صبر و ثابت قدمی دکھانے والوں کے ساتھ ہے (اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ) اس سے معلوم ہوا کہ جو قوم صبر و استقلال کا جوہر نہیں رکھتی اللہ اس قوم کی مدد نہیں کرتا۔ نماز پر صبر کا تقدم معنی خیز ہے کہ صبر و استقلال کے بغیر نماز کا قیام و استحکام ممکن نہیں ہے۔ دین میں صبر کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے صفا اور مروہ کا ذکر کیا گیا ہے جو شعائر اللہ میں سے ہیں یہی وہ مقام ہے جہاں "ذبح عظیم" کا واقعہ پیش آیا اور اسی واقعے نے بنی اسمٰعیل کے عروج و سربلندی کی راہ کھولی۔

صبر اور صلوٰۃ کی تعلیم کے بعد توحید کی حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا ہر وجود بالذات بے اقتدار ہے (اِنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا) وہ تنہا جملہ مخلوقاتِ عالم کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کو مافوق الفطری طاقت کا مالک سمجھنا شرک ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

توحید میں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یہ بات بھی داخل ہے کہ اللہ ہی اصل شارع و قانون ساز ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے کو علی الاطلاق قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہے۔ اس سلسلے میں یہودی فقہا (فریسی) کی روش کی مذمت کی گئی ہے جو بزعم خود شارع اور قانون ساز بن بیٹھے تھے اور اللہ کی سند کے بغیر اپنی تاویلات فاسدہ کے ذریعہ حلال و حرام کے فتوے دیتے تھے۔ انھوں نے اللہ کے قانونِ قصاص اور قانون وصیت میں بھی تبدیلی کر دی تھی۔ مسلمانوں کو اس روش سے اجتناب کی تعلیم دی گئی ہے اور قانون قصاص اور قانون وصیت پر کسی کمی و بیشی کے بغیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمل کی تاکید کی گئی ہے۔

توحید اور متعلقات توحید کے بیان کے بعد عبادات کا ذکر ہے اور بالترتیب روزہ (نماز کا ذکر پہلے آچکا ہے) حج، جہاد اور انفاق مال کے بارے میں احکام بیان کیے گئے ہیں انفاق مال کے ضمن میں مالی معاملات میں کتابت اور حرمت سود کا بھی ذکر آگیا ہے۔ غور سے دیکھیں تو یہ سارے امور مقامات صبر ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس دوسری فصل کا اختتام توحید کے مضمون پر ہوا ہے اور اس کے بعد ایک حد درجہ موثر دعا ہے جس میں بندہ سمع وطاعت کے عہد کے ساتھ اللہ سے عفوو درگذر اور احکام وفرائض میں تخفیف کا طالب ہے اور اس کی علت بالکل واضح ہے کہ سورہ میں کثرت سے احکام بیان ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ بندہ اللہ کی کارسازی کے اقرار کے ساتھ کفار کے مقابلے میں اس کی نصرت کا بھی خواہاں ہے (اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ)

آپ نے دیکھ لیا کہ یہ سورہ بھی بطریق احسن ایک سلسلۂ نظم میں پروئی ہوئی ہے تمہید، اصل موضوع اور خاتمہ تینوں اعتبار سے اسمیں کہیں کوئی ادنیٰ سقم بھی نظر نہیں آتا بلکہ حیرت انگیز حد تک یہ منظم ومرتب ہے۔

سورۂ فاتحہ اور سورہ بقرہ میں اجمالاً نظم وترتیب دکھانے کے بعد اب ہم قرآن مجید کی آخری تین سورتوں کو لیتے ہیں یعنی اخلاص اور معوذتین۔ اخلاص تمام تر توحید کی تعلیم پر مشتمل ہے۔ معوذتین میں توحید کے دشمنوں سے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے یعنی یہ توحید پر استقامت کی دعا ہے۔ ان تینوں سورتوں میں باہم جو معنوی ربط واتصال ہے وہ بالکل واضح ہے اور چنداں محتاج تشریح نہیں۔

یہ بات بڑی اہم اور معنی خیز ہے کہ دعا (سورہ فاتحہ) سے قرآن مجید کا آغاز ہوا اور دعا (معوذتین) ہی پر یہ ختم ہوا اور دونوں کا موضوع بھی ایک ہے یعنی توحید۔ پہلی دعا میں توحید کی راہ پر چلنے کی خواہش کا اظہار ہے اور آخری دعا میں اس راہ کے خطرات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید دراصل کتاب توحید ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا اول بھی توحید اور اس کا آخر بھی توحید ہے۔ درمیان میں جو امور حیطۂ تحریر میں آئے ہیں، خواہ ان کا تعلق رسالت و آخرت سے ہو، خواہ عبادات اور شرائع سے ہو، خواہ اخلاق اور اقوام و ملل کی سرگذشت سے ہو اور خواہ انفس و آفاق کے اسرار و حقائق کی پردہ کشائی سے ہو ان سب کا رشتہ توحید سے جڑا ہوا ہے۔ توحید اصل ہے اور بقیہ ساری چیزیں اسی اصل کی فرع ہیں۔ ان کی حیثیت سرچشمۂ توحید سے نکلی ہوئی نہروں کی ہے

اس زاویۂ نگاہ سے جو شخص بھی قرآن مجید کو پڑھے گا وہ تسلیم کرے گا کہ وہ اعجاز کی حد تک ایک مرتب اور منظم کتاب ہے۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں میں نظم و ترتیب ہے اور اس کا نظم بھی واضح ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اکثر علماء کی نگاہ سے یہ نظم پوشیدہ رہا؟ جو علماء نظم کے قائل تھے وہ بھی اپنی جمیلہ مساعی جمیلہ کے باوجود تمام سورتوں اور آیتوں کے اندر نظم و مناسبت نہ دکھا سکے اور ہنوز یہ صورت باقی ہے۔[۱]

راقم کے نزدیک اس کی دو بڑی وجہیں ہیں۔ ایک وجہ قرآن مجید کا ایجاز ہے یہ ایجاز تمام ہی سورتوں میں موجود ہے لیکن مکی سورتوں میں اپنے منتہائے کمال تک پہنچ گیا ہے جس کی وجہ سے عام اذہان تو کجا نہایت ذہین لوگ بھی بسا اوقات اس کے فہم سے قاصر رہتے ہیں۔ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جب قرآن مجید کتاب ہدایت ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ اس میں سارے انسانوں کے لئے رہنمائی ہے (ھُدًی لِّلنَّاسِ) تو اس ایجاز و اجمال کی وجہ؟ جہاں تک قرآن مجید کی تذکیری تعلیمات کا تعلق ہے وہ بالکل واضح اور مفصل ہیں (وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ سورۂ قمر: ۱۷)۔ لیکن کتاب کا وہ حصہ جو حقائق و معارف پر مشتمل ہے اور جس کا دوسرا نام حکمت ہے اس کے بیان میں ایجاز کا رنگ پوری طرح غالب ہے اور تدبر کے بغیر اس کی تفہیم ممکن نہیں ہے۔ ان مقامات کا تعلق عوام الناس کے بجائے ارباب علم و دانش سے ہے۔

اسلوب بیان میں ایجاز کا لحاظ رکھنے کی وجہ سے جہاں کلام کے ادبی حسن و جمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اضافہ ہوا اور اس کی تاثیر دوچند ہوگئی وہاں حفاظ قرآن کے لئے اس کا حفظ و قرأت دونوں آسان ہوگئے کہ وعدۂ الٰہی کے مطابق اس کی حفاظت بھی ضروری تھی۔ اس کے علاوہ قرآن کے مخاطب اوّل یعنی عربوں پر اتمام حجت بھی مقصود تھا۔

یہ بات معلوم ہے کہ عربی ادب جاہلی کا بڑا حصہ اشعار پر مشتمل ہے۔ عرب اپنے احساسات وجذبات کا اظہار زیادہ تر اشعار ہی میں کرتے تھے اور ان کا یہ قومی مزاج بن چکا تھا۔ وہ اس طرزِ کلام کے اس قدر خوگر تھے کہ خطبوں میں بھی اس کے اثر سے دامن بچالے جانا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ مقفّیٰ اور مسجّع عبارتیں ان کے خطبوں میں بھی ملتی ہیں۔ لیکن کلام میں جو چیز سب سے زیادہ ان کو عزیز تھی وہ ایجاز تھا۔ چونکہ اہل عرب نہایت ذہین اور ذکی الحس تھے اس لئے تفصیل وصراحت کے بجائے اشارہ وکنایہ میں اظہارِ مدعا کو پسند کرتے تھے اور اشعار میں اس کا خصوصی التزام کرتے تھے۔ ویسے بھی رمز وایما شعر کی جان ہیں اور دنیا کا کوئی ادب اس خصوصیت سے خالی نہ ملے گا۔ عربوں کے اس قومی مزاج اور مذاقِ ادب کا لحاظ کرتے ہوئے قرآن میں ایجازِ بیان کو ترجیح دی گئی ہے۔

جاحظ نے اپنی کتاب "کتاب الحیوان" میں اس کی مثالیں دیتے ہوئے لکھا ہے:

ولی کتاب جمعت فیہ آی	میں نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں
من القرآن لتعرف بہا	قرآن مجید کی کچھ آیات کو جمع کیا ہے
ما بین الایجاز والحذف	تاکہ ان سے ہم کو ایجاز وحذف اور زوائد
وبین الزوائد والفضول	وفضول اور استعارات کی حقیقت
والاستعارات۔ فاذ اقرأتہا	معلوم ہو۔ جب تم ان آیتوں کو پڑھوگے
رأیت فضلہا فی الایجاز و	تو تم کو ایجاز کے پہلو سے ان کی فضیلت
الجمع للمعانی الکثیر با	وبرتری معلوم ہوگی کہ کس طرح
لالفاظ القلیلۃ۔ فمنہا	تھوڑے الفاظ میں بہت زیادہ معانی
قولہ حین وصف خمر	جمع کردیئے گئے ہیں۔ مثلاً اللہ
اہل الجنۃ لایصدعون	تعالیٰ نے اہلِ جنت کی شراب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْن" وهاتان الكلمتان جمعتا جميع عيوب خمر اهل الدنيا وقوله عزّوجل حين ذكر فاكهة اهل الجنة "لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ" جمع بهاتين الكلمتين جميع تلك المعانی۔[۱۸]

تعریف میں فرمایا ہے کہ "نہ اس سے دردِ سر لاحق ہوگا اور نہ ہی بے خودی و بے عقلی پیدا ہوگی" ان دونوں فقروں نے اہلِ دنیا کی شراب کی تمام خرابیوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ اسی طرح اللہ عزوجل نے اہلِ جنت کے پھلوں کے ذکر میں فرمایا ہے "نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ روکے جائیں گے" ان دونوں فقروں میں سارے معانی آ گئے۔

ظاہر ہے کہ جب کلام میں غایت درجہ کا ایجاز ہوگا تو اس میں لازماً بکثرت محذوفات ہوں گے جیسا کہ ہم اشعار میں دیکھتے ہیں، اس لئے اس میں لازماً غور و فکر کی ضرورت پڑے گی۔ غور و تامل سے ان روابط کا علم ہوگا جو کلام میں ارتباط پیدا کرتے ہیں۔ فہم کلام کے لئے ان روابط کی تفہیم نہایت ضروری ہے اور یہ تدبر کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنی آیات میں غور و تدبر کی دعوت دی ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد ۲۴)

کیا وہ قرآن کی آیات میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص ۲۹)

ہم نے تمہاری طرف ایک مبارک کتاب اتاری ہے تاکہ وہ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس تدبر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے ذہن وفکر کو جلا حاصل ہوتی ہے اور اس کے پوشیدہ کمالات کو ظہور کا موقع ملتا ہے۔ بہر حال تدبر کے بعد قرآن مجید کی وہ تمام سورتیں اور آیتیں جو ایجازی ہیں اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے واضح اور مرتب کلام معلوم ہوتی ہیں اور صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ایجاز کے دامن میں معارف وبصائر کے کیسے کیسے خزانے مستور تھے۔ بطور ثبوت سورۂ رحمٰن کی بالکل ابتدائی آیات کو لیں:

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

(رحمٰن: ۱-۱۲)

رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا پھر اس کو گویائی سکھائی۔ سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں اور سبزے اور درخت سب (اللہ کے) مطیع ہیں۔ اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اس میں میزان رکھی۔ تم ناپ تول میں زیادتی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت۔ اور اسی نے انسانوں کے لئے زمین کو (اس کی جگہ) رکھ دیا۔ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت بھی ہیں جن (کے پھل) پر غلاف ہوتا ہے۔ اور اس میں غلہ ہے جن میں بھوسا بھی ہوتا ہے اور اس میں خوشبودار پھول بھی ہیں۔ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں اور کرشموں کا انکار کرو گے۔

ایجاز بیان کی وجہ سے نظم کلام غیر واضح ہے۔ ابتدائی چار آیتوں میں رحمٰن کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذریعہ تعلیم، تخلیق انسان اور تعلیم بیان کا ذکر ہے۔ اس کے فوراً بعد سورج اور چاند کی حسابی گردش اور اشجار و نباتات کی اطاعت گذاری کا بیان ہے۔ اس کے بعد رفع آسمان اور اس میں وضع میزان کا تذکرہ ہے۔ اور پھر فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ اس کے بعد تخلیق ارض اور اس کی ان نعمتوں کا تذکرہ ہے جو انسان کے لئے بقائے زندگی کا ذریعہ ہیں۔ اخیر میں ارشاد ہوا ہے کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں اور کرشموں کا انکار کرو گے۔ ان متفرق مضامین میں بظاہر کوئی نظم و ترتیب نظر نہیں آتی۔ لیکن نگاہ تدبر سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ساری آیتیں باہم مربوط ہیں۔

اس سورہ کا موضوع اللہ تعالیٰ کے آثار علم و حکمت کا بیان ہے جو دراصل آثار رحمت ہیں۔ تعلیم قرآن اس رحمت کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ تخلیق انسان، تعلیم بیان، سورج اور چاند کی حسابی بندش، اشجار و نباتات کی سرافگندگی، آسمان کی بلندی اور اس کے سیاروں کے درمیان توازن کا قیام، زمین اور اس میں قیام زندگی کے ضروری اسباب و وسائل کی تخلیق سب اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت اور رحمت و قدرت کے مظاہر ہیں۔ آثار علم و قدرت کے بیان کے درمیان میں انسان کی توجہ ایک اہم تخلیقی امر کی طرف مبذول کرائی گئی ہے اور وہ عدل و توازن کا اصول ہے۔ یہی عنصر اس کائنات بے کراں کی روح اور اس کے قیام وجود کا ضامن ہے۔ اور یہی شے ایک عمدہ انسانی معاشرہ کے قیام کا واحد ذریعہ بھی ہے۔ "اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ" ایک استطرادی جملہ ہے، لیکن دیکھیں کہ کس خوبی سے لایا گیا ہے کہ کہیں سے نظم کلام میں کوئی خلل نہیں پڑا اور ایک اہم تخلیقی راز سے انسان آگاہ ہو گیا۔

قرآن مجید کے نظم کے مخفی رہ جانے کی دوسری بڑی وجہ سورتوں بالخصوص بڑی سورتوں کی موجودہ ترکیب و ترتیب ہے۔ چھوٹی سورتوں میں تقریباً ہر جگہ نظم واضح ہے۔ جہاں غیر واضح ہے وہاں تھوڑے سے غور و فکر سے واضح ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سورتوں میں جو نظام ہے وہ ایک ہی عمود (مرکزی موضوع) کے گرد گھومتا ہے یعنی عمود اور نظام دونوں میں وحدانیت ہے۔ لیکن بڑی سورتوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ ان میں نظام اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنیادی عمود تو ایک ہی ہیں لیکن ثانوی عمودات بھی ہیں جو ایک دوسرے میں مدغم ہیں اس لئے پڑھتے وقت آیات میں معنوی بے ربطی معلوم ہوتی ہے۔ اگر ان ثانوی موضوعات (عمودات) کو الگ الگ ابواب کے تحت ظاہر کر دیا جائے، جیسا کہ سورہ بقرہ کے نظم کے بیان میں ہم نے واضح کیا ہے تو ہر سورہ کا نظم بالکل واضح ہو جائے گا۔

خاتمہ

اس بحث و گفتگو سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید نہ صرف ایک منظم و مرتب کتاب ہے بلکہ باعتبار نظم و ترتیب ایک معجزانہ کلام ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی کلام کی بعض اصناف مثلاً فلسفہ و سائنس اور ادب میں حکیمانہ مضامین مسلسل غور و فکر کے بعد ہی سمجھ میں آتے ہیں۔ فلسفہ و سائنس میں اس دقت کی وجہ ان کے دقیق معانی ہوتے ہیں اور اشعار میں رمز و کنایہ اور استعارات کا کثرت استعمال۔

قرآن مجید میں نہ صرف دقیق معانی ہیں بلکہ اس میں تمام ادبی محاسن کلام بھی جمع ہیں جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ہم نے تفصیل سے بیان کیا۔ انہی وجوہ سے اس کی آیات میں بظاہر بے ترتیبی معلوم ہوتی ہے لیکن تدبر کے ذریعہ روابط کلام کا علم حاصل ہو جانے کے بعد نہ صرف آیات کی ظاہری بے ترتیبی ختم ہو جاتی ہے بلکہ معانی کا ایک ایسا عالم زرنگار نظروں کے سامنے روشن ہو جاتا ہے جس میں ہر طرف علم و حکمت کے موتی بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں اور زبان سے بے اختیار صدا نکلتی ہے کہ یہ یقیناً اللہ کا کلام ہے اس کے علاوہ کسی اور کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔

حوالے وحواشی

لہ Thomas Carlyle. The Hero As Prophet. Islamic Service League. Bombay. pp. 35-37.

کہ William Muir. The Life of Mohammad. Vol. I. P. VII.

تہ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، طبع مصر ۱۳۱۸ھ ج ۲ ص ۱۴۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴ه شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، اردو ترجمہ از موی رشید احمد انصاری، مکتبہ برہان، جامع مسجد دہلی، ص ۵۔

۵ه ایضاً: ص ۷۱

۶ه ایضاً: ص ۷۰

۷ه محمد حنیف فقیہی، نظریۃ اعجاز القرآن عند عبد القاہر الجرجانی عن کتابتہ: اسرار البلاغۃ و دلائل الاعجاز، طبع قطر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء، ص ۱۴۶

۸ه ایضاً: ص ۱۸۶۔۱۸۷ ۹ه ایضاً: ص ۱۹۰

۱۰ه الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص ۷۲۔۷۳

۱۱ه ایضاً: ص ۷۲

۱۲ه سورہ ہود: ۱۳

۱۳ه سورہ بقرہ: ۲۳، سورہ یونس: ۳۸

۱۴ه بنی اسرائیل (اسراء): ۸۸

۱۵ه یہ قریشی سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ وہ بہت متاثر ہوا اور چپکے سے اپنے گھر چلا گیا۔ یہ خبر ابو جہل تک پہنچی تو وہ گھبرایا ہوا اس کے پاس آیا اور کہا: چچا جان! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں چند الفاظ ایسے فرمادیجئے جن کو سن کر آپ کی قوم کو اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ آپ اس شخص کے دعویٰ کی صداقت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اسی کے جواب میں ولید نے مذکورہ خیال کا اظہار کیا ہے۔

۱۶ه حاکم و بیہقی۔ دیکھیں تجلیات حق، الطاف احمد اعظمی، ۱۹۷۸ء، ص ۳۰۹

۱۷ه اس سلسلے میں مولانا فراہیؒ کا کام استثنائی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۸ه نظریۃ اعجاز القرآن عند عبد القاہر الجرجانی، ص ۱۴۴

© rasailojaraid.com